یادِ ایام
مسرور کاشمیری

یادِ ایّام

مسرور کاشمیری

YAAD-E-AYAM

[A collection of Urdu poetry]

By Masroor Kashmiri
Email: **shehjaar@gmail.com**

***Published by*:** SomaPrem Publications
First edition: 1996

Second edition: 2018

Price : $6.00

- **ISBN-10 :** 1985365928
- **ISBN-13 :** 978-1985365926

Available on Amazon (Books):

Yaad-E-Ayam: (a Collection of Urdu Poetry) (Urdu Edition): Kashmiri, Masroor: 9781985365926: Amazon.com: Books

عرضِ حال

دل کے بہلانے کی خاطر لکھ ہی لیتا ہوں کبھی
یہ حقیقت ہے کہ میں شاعر نہیں ناثر نہیں

ریاست جموں وکشمیر میں دریائے جہلم کے کنارے کشمیر کے مشہور راجہ اوانتی ورمن کے وزیر شری سویا پنڈت نے جس شہر کو بسایا تھا۔ وہ اب قصبہ سوپور کے نام سے مشہور ہے۔ یہیں پر میں نے ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء کو سورج کی پہلی کرن دیکھی۔ ابھی عمر کے چودہ مہینے بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ شومئ قسمت سے والد بزرگوار کے سائے سے محروم ہوا۔ چودہ سال کی عمر نہ ہونے پائی تھی کہ والدہ محترمہ کے سائے سے بھی محروم ہونا پڑا۔ پرورش کا بوجھ میرے چچا کے کندھوں پر پڑا۔ جس فرشتہ سیرت انسان نے دن رات ایک کر کے مجھے ہر طرح سے سُکھی رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن افسوس یہ بھی میرے متعلق دیکھے ہوئے اپنے حسین خوابوں کی تعبیر دیکھے بغیر ہی دنیا سے چل بسے، اس لئے عمر کا ابتدائی حصّہ بہت ہی اُلجھنوں میں بسر ہوا۔

ابتدائی تعلیم مقامی مڈل اسکول میں پائی۔ اساتذہ کرام کی شفقتِ پدرانہ اور حوصلہ افزائی سے چھٹی جماعت میں ہی طلباء کی انجمن کا سکریٹری بنا اور یہیں سے لکھنے کی ابتدا ہوئی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول سری نگر میں اپنے ہم جماعت سورگیہ شری پریم ناتھ سادھو (جو پردیسی کے نام سے مشہور ہیں) اور استاد محترم سورگیہ شری نند لال کول طالب کشمیری کی عنایت سے اس خیال کو تقویت مل گئی اور لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔

مالی الجھنوں کی وجہ سے کالج کی تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور تلاش معاش کا فکر دامن گیر ہوا۔ پہلے محکمۂ ایریگیشن میں بطور کلرک بھرتی ہوا۔ لیکن کچھ دیر بعد محکمانہ ردّ و بدل کی وجہ سے وہاں سے تخفیف میں لایا گیا۔ اور پھر محکمۂ تعلیم میں پہلے معلمی کے عہدہ پر اور پھر بحیثیتِ کلرک کے کام کیا۔ معلمی سے دلی لگاؤ نہ تھا۔ اس لئے معلمی کے عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی افسران مجھ سے کلرک کا ہی کام لیتے رہے۔ چونکہ منشی گری آبائی پیشہ تھا۔ اس لئے اس میں زیادہ قابلیت کا مظاہرہ کر سکا۔

تعلیم کا شوق تو تھا ہی۔ عرصۂ معلمی سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ پنجاب یونیورسٹی سے اُردو میں ادیب فاضل اور انگریزی میں بی۔ اے کی اسناد حاصل کرلیں۔

۱۹۳۹ء میں ٹیچرز ٹریننگ اسکول سری نگر سے جاری ہوئے رسالہ "تعلیم جدید" کے چیف ایڈیٹر کے فرائض انجام دیئے۔ ایک کتاب "پیام" بچّوں کے نام لکھی، جس کو خواجہ علی محمد بک سیلر جبہ کدل سری نگر نے شائع کیا اور مرحوم خواجہ غلام احمد مختار (جو اس وقت ٹیچرز ٹریننگ اسکول کے انچارج تھے) نے ڈائرکٹر ایجوکیشن خواجہ غلام السیدین کے ذریعہ چلڈرنز بک ایگزیبیشن (CHILDREN'S BOOK EXHIBITION) میں ڈاکٹر کرن سنگھ (جو اس وقت صدرِ ریاست تھے) کی خدمت میں بھینٹ کردی۔

ابتدا میں قلمی نام عاشق سوپوری رکھا، جو بعد میں مسرور میں تبدیل ہوا۔ اس وقت عاشق سوپوری کا جو مرثیہ لکھا۔ اس کا آخری شعر یاد ہے۔

فنا فی العشق ہوجانا ہی انجام محبت ہے
فنا ہوکر ہی عاشق نام ہم مسرور پاتے ہیں

مضامین نظم و نثر رہنمائے تعلیم لاہور۔ بہارِ کشمیر لاہور۔ زمیندار جموں۔ رتن جموں۔ مارتنڈ سری نگر۔ ینگ کشمیر سری نگر۔ دیپ وتی سری نگر میں شائع ہوتے رہے۔

۱۹۴۷ء تک کا مجموعہ قبائلی حملہ کی نذر ہوا جس کا دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ بہت عرصہ تک قلم نے کام کرنے سے بالکل انکار کردیا۔

اُردو زبان کی خدمت کا شوق تو اوائل عمر سے ہی تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

میرے بچوں نے بھی اس طرف توجہ دی اور تینوں لڑکے اُردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ ویریندر پٹواری گذشتہ پچیس برس سے اردو میں لکھ رہے ہیں اور جدید اُردو افسانے میں اپنا ایک مخصوص مقام بنا چکے ہیں۔ راجندر پٹواری اور اشوک پٹواری کے اردو ڈرامے وغیر ریڈیو کشمیر جموں سے نشر ہوتے رہتے ہیں۔

"یادِ ایام" کا قلمی نسخہ اپنے بچوں کے لئے بطور یادگار چھوڑ رہا ہوں۔

مسرور کاشمیری
۹۳۔ چترا وہار، دلی ۱۱۰۰۹۲
۲۲ر فروری ۱۹۹۲ء

(۱)

عہدِ شباب بیت گیا اُن کو پوُجتے
اپنا بنا کے بھی وہ ہمارے نہیں رہے
بُلبُل نے گُل کے کان میں کیا جانے کیا کہا
بدلا رنگِ چمن وہ نظارے نہیں رہے
قسمت کا کھیل چال نئی چل گیا رقیب
آنکھوں ہی آنکھوں کے وہ اشارے نہیں رہے
چکر میں جھگڑے ہم گئے چرخِ کہن بدلا
بدلے میں مہر و ماہ و ستارے نہیں رہے
ٹوٹے چپّو ہیں ناؤ پرانی ہے ناخدا
ہم کھے چلے ہیں تیرے سہارے نہیں رہے
تہہِ بھنور جو لگی ہے کشتیٔ حیات
طوفان کا غم مٹا کہ کنارے نہیں رہے
تنہائی میں ہی لے رہے ہیں لُطفِ انجمن
مسؔرور ہمنوا وہ ہمارے نہیں رہے

۲

یہ عشق و محبت کے قصّے یہ ہجر و وصل کے افسانے
کوئی کہتا گیا، کوئی سُنتا گیا اس میں ہی زمانہ بیتا ہے

کوہکن قیس رانجھا پنوں سب دوڑ میں دوڑے محبّت کی
کوئی اب تک اتنا بتا نہ سکا کون ہارا کس نے جیتا ہے

یہ جام و سُبو یہ پیمانہ محفل یہ پُرانی رندانہ
پڑھتے ہیں حدیثِ اُلفت ہم ہاتھوں میں پریم کی گیتا ہے

تنہائی میں لُطفِ محفل ہے دن رات تصوّر ہے اُن کا
مخمور نگاہیں کہتی ہیں وہ پیتا ہے وہ پیتا ہے

اب ہجر و وصل میں فرق کہاں مستی کا وہ عالم طاری ہے
مسرور ہے شاداں آٹھ پہر یادوں کے سہارے جیتا ہے

میرا گھر ہے وہ ہیں میں ہوں بہارِ زندگانی ہے
اسی مل بیٹھنے میں ہی نشاطِ جاودانی ہے
انھیں بھولے سے میری یاد آئی وہ چلے آئے
ہمارے حال پر نامہربان کی مہربانی ہے
کیا اظہار میں نے کیسے گذری ہے گذرتی ہے
لگے فرمانے بس خاموش، یہ غمگین کہانی ہے
وہ سُن کر ماجرائے عشق و اُلفت ہنس کے یوں بولے
تیری نگمین کہانی میں عجب شیریں بیانی ہے
ذرا فرہاد سے مسرور پُوچھو قیس کو دیکھو
فنا فی العشق ہو جانا حیاتِ جاودانی ہے

(۴)

بہت اچھے سہی لیکن لگیگا دل نہیں ان میں
یہ ذکرِ عشق و درد و ہجر افسانے نہیں ہوتے

گریباں چاک ہے جوشِ جنوں شوقِ اسیری ہے
یہ مستانے تو فرزانے ہیں دیوانے نہیں ہوتے

میری نظروں میں تو دشت و بیاباں بھی گلستاں ہیں
ترے دم سے جو ہوں آباد ویرانے نہیں ہوتے

سوا تیرے میرے ساقی مزا کیا زندگانی کا
بھرے ہوں خم کے خم ساقی وہ مے خانے نہیں ہوتے

نہ چھلکے جو مئے اُلفت سے وہ ساغر ہی ساغر کیا
نہ جھوم اُٹھیں جو گردش میں وہ پیمانے نہیں ہوتے

چھُپائے سے نہیں چھُپتے نہ ڈھانکے سے نہیں ڈھکتے
جنھیں دی ہو جگہ دل میں وہ بیگانے نہیں ہوتے

مکیں ہے وہ دلِ مسرور میں تم کیوں بھٹکتے ہو
جہاں اِک کعبہ ہو واں لاکھ بُت خانے نہیں ہوتے

۵

یہ کیا پینا ہے پینے میں، یہ کیا کھانا ہے کھانے میں
بیت گیا ہے سارا جیون آنے میں اور جانے میں

کاریگر ہے مست الست دن رات لگا ہی رہتا ہے
بنا بنا کے بگاڑ رہا ہے پھر بھی لگا ہے بنانے میں

کیوں نمرودی دم بھرتے ہو کس بل پر اِتراتے ہو
ہاتھی میں ہے تاب کہاں مچھر سے زور آزمانے میں

واہ بھی آہ ہے، آہ بھی واہ ہے فرق جو ہے سو اِتنا ہے
جھول سے ایک نکلے تو دوسرا جھول پہ ہے پچھتانے میں

نئے نمونے رنگ برنگی دیکھ کے ناداں للچائے
غور سے دیکھیں فرق نہیں ہے کچھ بھی تانے بانے میں

کانٹوں سے الجھنے والوں کو پھولوں کی مہک سے مت بہکا
اس راز کو ایک دن پائے گا تو الجھے کو سلجھانے میں

چمکیلے بھڑکیلے کھلونے بھول بھلیاں میں ڈالیں گے
اَن جانے کھلاڑی دیکھ کے چل کہیں رُک نہ جائے ویرانے میں

پیمانے ٹوٹے، ساغر چھوٹے مے خوار نے لی ہے راہ اپنی
ساقی کیا کچھ باقی ہے اب بھی تیرے مے خانے میں

مسرور بہت سُن لی تری لاکھوں کی ایک بات کہوں
لب پہ مہرِ خموشی رکھ کر لگ جا فرض نبھانے میں

(۶)

مرمر کے بن رہی ہے مجھے زندگی پیاری
اس آس پر کہ چمکے قسمت کبھی ہماری

جو کچھ بھی آگے آئے اس کو لبیک کہدوں
ہمت نہ ہار بیٹھوں کرلوں نہ آہ و زاری

میری آنکھیں مدتوں سے تیری راہ دیکھتی ہیں
مرے درد کی دوا ہو کرو میری غمگساری

میرے ہم سفر تھے جتنے مجھے چھوڑ کر چلے ہیں
مجھ کو خبر نہیں کب آتی ہے مری باری

جینے کی آس پر ہی جیتے رہے ہیں اب تک
تھوڑی سی رہ گئی ہے اب زندگی ہماری

مجھے آفتاب کو ہی کہو یا چراغِ سحری
ڈھلنے کی دیر ہے اب بجھنے کی ہے تیاری

مسرور تری اولاد ناشاد ہو رہی ہے
حیراں ہوں کیسے بیتے گی زندگی تمہاری

(۷)

یادِ ایّام

ساقیا وہ دن ابھی تک یاد ہیں

تھا نشاط و عیش کا ساماں بہم
میکشوں کے ساتھ مے خانے میں ہم
بھول کر دنیا کے سب رنج و الم
"لا پلا دے دختِ رز کی ہے قسم"
نعرۂ مستانہ دیتے دم بدم

ساقیا وہ دن ابھی تک یاد ہیں

کلفتیں دنیا کی ساری چھوڑ کر
اُلفتِ دنیا سے مُنہ کو موڑ کر
رشتۂ ما و شُما کو توڑ کر
دختِ رز سے اپنا ناطہ جوڑ کر
بھول جاتے تھے سبھی رنج و الم

ساقیا وہ دن ابھی تک یاد ہیں

کوئی کہتا تھا عجب مے نوش ہے
کوئی کہتا تھا کہ یہ بے ہوش ہے
کوئی کہتا تھا نہیں مدہوش ہے
کوئی کہتا تھا تبھی خاموش ہے
خود فراموشی تھی وہ تیری قسم

ساقیا وہ دن ابھی تک یاد ہیں

تھی بہار زندگی جب بے خزاں
نامہرباں بھی تھے مجھ پر مہرباں
خود قضا تھی زندگی کا پاسباں
تھی تکلم خیز خاموشی یہاں
نیم جان تھے شادماں مسرور ہم

ساقیا وہ دن ابھی تک یاد ہیں

(۸)

خموشی منتظر ہے بے زبانی کو زباں کر لوں
ہلیں جس سے یہ عرش و فرش پیدا وہ سماں کر لوں

سراپا ناز ہو کر بے نیازی سے وہ کہتے ہیں
کہیں حرف تمنا کو نہ میں وقفِ بیاں کر لوں

وُفور جوش میں چھُٹنے نہ پائے ضبط کا دامن
کہیں میں گوش و لب تک کو نہ دل کا راز داں کر لوں

پُرانی ہو چکی ہے اب کہانی قیس و کوہکن کی
نئے انداز سے اپنی وفا کا امتحان کر لوں

غریقِ بحرِ اُلفت کا تہِ گرداب ہے ساحل
فنا فی العشق ہو مسرورؔ سب پر عیاں کر لوں

۹

تجھے کب سے کہہ رہا ہوں لا پلا دے ارغوانی
کہ ہوں شعر خیز نظریں، بجے ساز زندگانی

ذرا دیکھ امتحاں کر نہیں میں بھی تم سے کم تر
ترے حسن میں جوانی مرے عشق میں جوانی

تو ہی ہے مری حقیقت نہیں دخل غیر اس میں
تو ہی ہے مرا فسانہ، تو ہی ہے مری کہانی

تری اک نگاہ پر ہوں میں ہزار بار قربان
یہ ہے وجہ شادمانی، یہ ہے سبب کامرانی

مرا ہر نقش ہے لرزاں دم بھر میں کیا سے کیا ہو
تری جنبش نظر ہے مرا دورِ آسمانی

نئی شان سے بنایا نیا آشیاں اپنا
کہیں لے اڑے نہ، اس کو کوئی برقِ ناگہانی

غم مرگ و زیست کیسا کہ ہے ہست و نیست یکساں
تری بزم عیش دائم رہے جاوداں جوانی

سنو میں سُنائے جاؤں چاہے ہدفِ طعن ہی ہو
میرا ذوقِ شاعرانہ میرا شوق نغمہ خوانی

میری خود کیا حقیقت مجھے خود نہیں ہے معلوم
تو بتاؤں کیسے مسرور تجھے رازِ زندگانی

۱۰

میری زندگی کے ہیں چار دن انھیں کیوں نہ ہنس کر گزار لوں
جو اُلجھ اُلجھ کے بگڑ گئی اسے اب سُلجھ کے سنوار لوں

کبھی اِس طرح کبھی اُس طرح پھنسے، پھنس کے پھر پھڑ کا کئے
پھِرالے کے پاپ کی گٹھریاں انھیں کیوں نہ سر سے اتار لوں

مُجھے آزمائش میں ڈال کے اُسے اب تسلّی تو ہو چکی
دی فلک نے اب تک جو بیکلی اُسے اب سکون وقرار لوں

دن ڈھل چکا ہُوئی شام تب، گئی رات وقتِ سحر ہے اب
ہر اک انتہا کی ہے ابتدا، میں خزاں سے مژدہ بہار لوں

ہُوا کارِ دُنیا تمام کب کروں فکرِ عقبیٰ ہے وقت اب
ہو کے شادماں مسرور تب میں پناہ گنجِ مزار لوں

(۱۱)

یارب ہمیں اب ایسا کوئی ہم سفر تو دے
ذوقِ سفر ہو منزلِ نو کی خبر تو دے

گُل کا بسیرا ہوگیا کانٹوں کی سیج پر
منزل کٹھن سہی مگر شوقِ سفر تو دے

چرخِ کہن سے ہم کو امیدِ وفا نہیں
خوشیاں نہ دے سکا ہے نہ دے غم دہر تو دے

کُنجِ قفس میں یُوں مجھے بے بال و پر نہ چھوڑ
امرت اگر پلا نہ سکا ہے زہر تو دے

کب تک ثنا کروں تمہاری لن ترانیاں
نظرِ کرم ادھر بھی ذرا جام بھر تو دے

آکے ملے ۔ بچھڑ گئے یہ وقت کی ہے بات
راہبر ذرا سا ساتھ سرِ رہ گزر تو دے

کاٹے سے ہی کٹے گی رات تاریکیوں کے بیچ
مسرور اُٹھ سفر میں پیامِ سحر تو دے

دیئے جارہے ہیں، لیئے جارہے ہیں
جوانی میں کیا کیا کیئے جارہے ہیں
بھری بزم میں سب کی نظریں بچا کر
غٹا غٹ غٹا غٹ پیئے جارہے ہیں

نہ جوشِ جنوں ہے نہ وہ ولولہ ہے
اُمنگیں رہی ہیں نہ اب وہ ترنگیں
بڑھاپے میں پیرِ مغاں دُور بیٹھے
جوانی کا ماتم کیئے جارہے ہیں

نہ شکوہ کسی سے نہ کوئی شکایت
رضا پہ تمھاری میں ہر وقت راضی
کہیں ہو نہ جائے یہ راز اِفشا
ہم اپنے لبوں کو سیئے جارہے ہیں

عفو کی نظر میری کوتاہیوں پر
وسیع کس قدر ان کا بحرِ کرم ہے
گنہگار ہوکر بھی جنّت کا وعدہ
اسی آس پر ہم جیئے جارہے ہیں

بنا مانگے دیتے ہیں وہ دینے والے
تب ہی پوری ہوتی ہے ہر اک ضرورت
ہیں ناشکرے منکر اِحسان فراموش
مگر وہ تو سب کو دیئے جا رہے ہیں

عجب کھینچا تانی ہے ہاں اور نہیں میں
سمجھ سے تو باہر ہے یہ رازِ اُلفت
سُلجھنا تو اُلجھے ہوئے کا ہے مُشکل
مگر پھر بھی کوشش کیئے جا رہے ہیں

نگاہیں مخمور ہاں دل ہے مسرور
بھرے جام و مینا مئے معرفت سے
سہانا ہے موسم اور میرے ساقی
دیئے جا رہے ہم پیئے جا رہے ہیں

(۱۳)

زندگی زندہ دِلی ہے مُردنی چھا جائے کیوں
موت کی آغوش میں جانے سے پھر گھبرائے کیوں؟

کشمکش ہے اس لئے قاصد کا ہے بس انتظار
ناز ہے اپنی وفا پر بن بُلائے جائے کیوں؟

کیوں نہ ہو جلوہ نما جو دوستی جب عام ہے
پھر نگاہِ شوق کو وہ اس قدر ترسائے کیوں؟

بے ثباتی حُسن کی ہو جب کسی کے سامنے
رنگ رنگیلی نئی نویلی چیز پر للچائے کیوں؟

اپنی مرضی سے پلک تک بھی نہ جھپکی عمر بھر
نامۂ اعمال پر مسرور پھر شرمائے کیوں؟

(۱۴)

اے دلِ حقیقت آشنا یہ کیسا انقلاب ہے
بیاضِ زندگی کا تو کُھلا نیا ہی باب ہے

رندِ میکدہ کرے داورِ حشر سے خطاب
میزانِ عدل سے تو دیکھ میرا بھی کیا حساب ہے

جو کچھ دیا جو کچھ لیا تیرے ہی حکم سے کیا
اِس میں بندے کی کیا خطا کیوں موردِ عتاب ہے

پہلو میں دل تو رکھ دیا اس میں اُمنگیں بھر تو دیں
پھر دے کے جوش و ولولہ بولے کہ لو شباب ہے

ہمرنگِ زمین بچھا کے دام دانے بکھیر رنگ برنگ
دھوکے میں پھانس لینا بھی کیا کوئی کارِ ثواب ہے

اہلِ خرد بھی کیا کریں جوشِ جنوں کے سامنے
جب عقل ہی جواب دے گناہ ہی ثواب ہے

دعوتِ وصل دیتا ہے خود ہی جمال دل فروز
پروانہ کیوں نہ جل بجھے شمع تو بے نقاب ہے

کرکے غریقِ بحرِ شوق کہتے ہو ہوشیار باش
دامن نہ ہونے پائے تر، ہر چار سو تو آب ہے

مُجرم ہے کون جُرم کیا، اس بات کا ہو فیصلہ
میرا سوال ہو گیا، اب تیرا کیا جواب ہے

مسرور یہ کیف و سرور پیری میں بھی ذوق شباب
نیت میکشی نہیں ہاتھ میں جام شراب ہے

انگشت اِشارہ نہ اُٹھے کوئی تُجھے نہ یہ کہے
داڑھی تو چِٹی کر گئے آٹا مگر خراب ہے

(۱۵)

سمجھ تو لیا پر بڑی دیر سے — کہ اک رازِ سربستہ ہے زندگی
یہ کایا، یہ مایا، یہ چھایا سبھی — ہے بکھری ہوئی چار سو گندگی
مہذب کو دعویٰ ہے تہذیب کا — پراگندہ دل کی پراگندگی
مچا کے اُدھم خوب کھائیں پییں — یہی اِن کا ہے مقصدِ زندگی
ترقیٔ معکوس کا ہے اثر — یہی خستہ حالی و پسماندگی
ہے ہر قول و ہر فعل پہ لازمی — ندامت، خجالت و شرمندگی
ملا کیا کہ جس پہ وہ نازاں ہے — پریشاں حالی و درماندگی
حقیقت سے مُنکر کی آنکھیں ہیں بند — اندھیرے کو سمجھا ہے تابندگی
اکڑفوں میں کچھ بھی سُجھائی نہ دے — وہ کیا جانے لُطفِ فرو ماندگی

نہ پڑ الجھنوں میں سُن لاکھوں کی ایک
تو بندہ ہے مسرور کر بندگی

(۱۴)

میں عرش و فرش پر محوِ خیال طور رہتا ہوں
عیاں سیرت سے ہوں صورت سے گو مستور رہتا ہوں

حقیقت میں میرا مسکن تو میخانہ ہے میخانہ
نہ حاجت جام و مینا کی نشے میں چُور رہتا ہوں

میرا سایہ نہ چھوڑے گا قیامت تک میرا پیچھا
یہ اتنا پاس آتا ہے میں جتنا دور رہتا ہوں

میں جتنا اس کو بہلاتا ہوں اتنا ہی مچلتا ہے
دلِ ناداں کے ہاتھوں بہت مجبور رہتا ہوں

میں تو ممنونِ احسان ہوں تیری نظرِ عنایت کا
کہ جس سے بن پیئے آٹھوں پہر مسرور رہتا ہوں

(۱۷)

بہت میں نے سوچا بہت سر کھپایا
یہ نقطے کا نکتہ سمجھ میں نہ آیا

یہ لمبا نہ چوڑا نہ موٹا ہے لیکن
ملے جا کے دو خط تو نقطہ بنایا

تصور تو خط کا ہوا تب ہی ممکن
دو سطحوں کو ملتے ہوئے دیکھ پایا

سطح کا تصور دلانے کی خاطر
یہ سب کچھ رچایا مجسّم بنایا

مجسّم ہے واضح زمین و زمان سے
مجسم سے نقطے پہ کیسے آیا

یہ نقطہ تو ہے مرکز زندگانی
بنا دائرہ آپ اسی میں سمایا

بنے لاکھوں سکرٹ مگر واہ رے قدرت
کوئی دائرے سے الگ ہو نہ پایا

جو نیچے سے اوپر کو اُٹھا یہ نقطہ
تو مسرور جُدا کو خدا کر دکھایا

ہمیں تو کشتِ دل میں تخمِ اُلفت آج بونا ہے
عبث ہے فکرِ فردا ہو رہے گا جو کہ ہونا ہے

کسی کا نامۂ اعمال خود ہی اپنا شاید ہے
کہ وہ نُوری ہے یا ناری وہ پتھر ہے کہ سونا ہے

حقیقت بیں نگاہوں سے سنبھل کر دیکھ لے اس کو
جسے "دنیا" ہے سمجھا طفل مکتب کا کھلونا ہے

بظاہر شکل انساں ہے بباطن سیرت شیطان
عقل کے اس اندھے کے آگے رونا آنکھیں کھونا ہے

ہمارا جذبۂ الفت رہے گا رازِ سر بستہ
نمائش کر کے کیا رسوا سر بازار ہونا ہے

ندامت سے جھکا ہے سر زبان پر اللہ اکبر
برس اب ابر رحمت دامنِ عصیاں کو دھونا ہے

دل مسرور قائم ہے یقین من و سلویٰ پر
عرش ہے اوڑھنا اس کا فرش اس کا بچھونا ہے

(۱۹)

آسماں کیوں ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑ گیا
اسپ تازی پابجولاں ہو کے رہ میں اڑ گیا

کونسا چکر چلا یہ پردۂ مکر و ریا
صاحبِ فہم و ذکا کی عقل پر یوں پڑ گیا

کون کس کے واسطے قربان گاہ پر آ جما
کشمکش میں دیکھنا سر رہ گیا تو دھڑ گیا

دار اوچھا پڑ گیا نخلِ تمنّا پر مگر
زخم بھر آنے پہ پایا تھا کہ پودا سڑ گیا

جب بشر مجبور ہے تقدیر کی تحریر سے
پھر سزائے جرم کیسا کون کس سے لڑ گیا

نامۂ اعمال دیکھا کاتبِ تقدیر نے
سر جھکا، مارے شرم کے وہ زمیں میں گڑ گیا

لن ترانی سے کسی کے حوصلے کیوں پست ہوں
بندگی میں دیکھئے مسرور آگے بڑھ گیا

(۲۰)

گُل پہ بُلبُل ہے فدا اور شمع پر پروانہ ہے
میں ہوں دلدادہ ازل سے آتشِ سیال کا

یُوں نہ ترسا منتظر ہوں دینے والے دے تو دے
ہمنشیں عادی نہیں ہرگز میں قیل و قال کا

بے رُخی پر دلِ شکستہ سے امیدِ گُفتگو
دیکھنا ہے کیا اثر چینی میں آئے بال کا

وہ درِ میخانہ پر رُک رُک کے جانے کی نیت
خود عیاں زاہد پہ ہے مُنہ سے ٹپکنا رال کا

جام ٹکراتے ہوئے قاضی نے ہنس کر کہہ دیا
کون منکر ہوتا ہے مفت ہاتھ آئے مال کا

محتسب ہم کو ڈرا مت تم کو بھی محشر کے دن
خود بخود معلوم ہوگا بھاؤ آٹے دال کا

ہوں ازل سے تا ابد مسرور قیدِ وقت کیا
دردِ سر رکھا ہے کیوں یہ روز و ماہ و سال کا

(۲۱)

جو ہیں جانے پہچانے آہ وہی انجان بنتے ہیں
نئے فتنے جگانے کے نئے سامان بنتے ہیں

زمین و آسمان کا فرق قول وفعل میں تو بہ
ہیں خود سے بدگمان پر صاحبِ احسان بنتے ہیں

بھٹک جائے جو بہکانے سے وہ عقل رسا ہی کیا
کہ جس سے صاحب دانش بھی خود نادان بنتے ہیں

بتا چرخ کہن تو نے یہ کیا پٹی پڑھا دی ہے
تجھے نازاں جن کے ایماں پر وہ بے ایمان بنتے ہیں

صحیح ہے "س" انسان سے ہی قائم ہے وجود اس کا
جو عاری اُنس سے ہوں وہ کہاں انسان بنتے ہیں

اماں حاصل نہیں ہرگز کسی پل وحشتِ دل کو
کہیں پر حسرتیں ہیں اور کہیں ارماں بنتے ہیں

ہنڈولا انقلاب دہر کا پھرتا ہی رہتا ہے
حلِ مشکل کے ذریعے خود بخود آسان بنتے ہیں

غریق بحرِ اُلفت کا وہیں ہے امتحاں مسرور
جہاں بادِ موافق چلنے سے طوفان بنتے ہیں

(۲۲)

کج روی سے باز آ اے آسمان
نامہرباں ہم پہ اتنا، ان پہ اُتنا مہربان

واں سفینہ جا لگے ساحل پہ ہو بادِ مُراد
اور یہاں بادِ مخالف کاٹ ڈالے بادبان

کیسا شکوہ کیا شکایت تضیع اوقات ہے
جانتا ہوں تم میں اب تابِ شنیدن ہے کہاں

تیرے حکم "لب بہ بند" کی ہی تو یہ تعمیل ہے
پھر میری خاموشی پہ ہو اس قدر کیوں بدگمان

تو جفا سے باز مت آ میں وفا چھوڑوں نہیں
سلسلہ چلتا رہے گا امتحان پر امتحان

یہ ہماری کشمکش تفریح کا باعث بنے
مہر و ماہ دیکھا کریں ہنستا رہے یہ کہکشاں

تو رقیبوں سے لیا کر مشورہ ہر بات میں
میں دلِ مسرور کو اپنا بنا لوں رازداں

بیت چکے جب ستاسٹھ سال
دل میں آیا تب یہ خیال
جانچ تو لیں کچھ اپنا حال
ہاتھ میں کیا آیا ہے مال

بھول تھی سمجھا تھا ہوں عالی
دیکھی تجوری پائی خالی
بھٹکا رہا در در کا سوالی
بس اپنا ہے اللہ والی

آنکھوں میں اندھیاری چھائی
بس میں سمجھے ساری خدائی
عقل ملی تو بیچ کے کھائی
میرے اللہ تیری دہائی

دنیا کی ہر بات تھی نیاری
اس سے ہوگئی ذلّت و خواری
موہ مایا کا پھندا بھاری
چھٹنے کی کچھ کی نہ تیاری

استری، دھن کے پیچھے بھاگا
تھام کے ہاتھ میں کچا دھاگا
راہ سے بھٹکا جنم ابھاگا
جھنجھوڑے سے بھی نہیں جاگا

دلبر کا دلدار نہیں ہے
تیاگ کے لئے تیار نہیں ہے
سر تو ہے سردار نہیں ہے
دل کی راہ ہموار نہیں ہے

کایا مایا کا ابھیمان
چھوڑ دے کھوج لے آتم گیان
دلِ مسرور میں دھر کے دھیان
سب کا راکھا ہے بھگوان

(۲۴)

واعظ ہمیں غرض کیا جنت کی داستان سے
اتنا بتا کہ ہے کون آیا ہے تو کہاں سے

کیا ساتھ لے کے آیا کیا لے کے جا رہا ہے
ناداں سمجھ کے مجھ کو بہلا نہ این و آں سے

اقوال کے دھنی ہو اعمال مختلف ہیں
یہ دیکھ کر ہوئے ہیں ہم سب ہی بدگمان سے

ہے لب پہ اللہ اکبر، پر دل ہے کفر پیکر
منزل تو دور تھی ہی بھاگے ہو کارواں سے

جب باڑھ ہی اُجاڑے کھیتی کی فصل ساری
امید کیا رکھیں ہم پھر ایسے پاسباں سے

اپنے ہی ہاتھوں اپنا سب کچھ لٹا رہے ہو
محسوس کر رہے ہو کہتے نہیں زباں سے

اُجڑے ہوئے چمن میں پھر تو بہار آنے
ہم لَو لگائے بیٹھے ہیں یہ ہی باغباں سے

دنیا کے مخمصے سب ہو جائیں عیش جنت
پردہ دوئی کا جس دم اٹھ جائے درمیان سے

گونجے گا اللہ اکبر ناقوس کی دھنی میں
ایشور ہے سرو دیا ایک آواز ہو آذان سے

مندر کی آرتی میں ہو شیخ سر سجدہ
برہمن سُننے گا " اوم اوم " مسجد کی ہر آذاں سے

ہر سو ہے پریم ساگر مسرور غوطہ زن ہو
چن لے ملیں جو موتی اس بحر بیکراں سے

۲۵

میرے روٹھے پریتم منانا نہ آیا
جو وعدہ کیا وہ نبھانا نہ آیا

سجے اُن کی محفل میں تھے ساز سارے
اناڑی تھا مجھ کو بجانا نہ آیا

پریم کی مدھر تان چھیڑی جو اُس نے
مجھے اس پہ من کو نچانا نہ آیا

مِلے پھول المست ہوا رنگ و بُو سے
نہ چُن پایا ان کو سجانا نہ آیا

جو گونجی تھی آواز سوزِ دروں سے
لبوں تک اسے مجھ کو لانا نہ آیا

میں جلوت میں کھویا تھا خلوت نہ جانی
مجھے میرے پریتم رِجھانا نہ آیا

مواقع تو لاکھوں میسّر تھے مسرور
مگر مجھ کو جیون بنانا نہ آیا

(۲۶)

نہ ہنسنے ہنسانے کو جی چاہتا ہے
نہ رونے رُلانے کو جی چاہتا ہے

جفا کے عوض تھا وفا کا جو وعدہ
وہی اب نبھانے کو جی چاہتا ہے

سُلجھتی نہیں آہ اُلجھن ہے بھاری
اسے چھوٹ جانے کو جی چاہتا ہے

ہیں ابن الوقت سارے ارکانِ محفل
اُنھیں آزمانے کو جی چاہتا ہے

بغاوت پہ آمادہ ہے فوج من کی
یہ شورش دبانے کو جی چاہتا ہے

یہ مایا کا چکر تھا کایا کی خاطر
اب پیچھا چھڑانے کو جی چاہتا ہے

یہ داغِ دوئی ہے بہت بدنُما سا
اِسے اب مٹانے کو جی چاہتا ہے

یہ بارِ گراں زیست کا چھوڑ کر کے
کہیں اور جانے کو جی چاہتا ہے

سکونِ قلب کیسے حاصل ہو مسرور
یہی راز پانے کو جی چاہتا ہے

(۲۷)

بھٹکتا رہا در بدر میرے پیارے
نہ سمجھا کہ جاؤں کدھر میرے پیارے

سفینہ وہیں ڈھونڈتا تھا کنارہ
ہواؤں کا رُخ تھا جدھر میرے پیارے

بہت ناسمجھ یہ جہالت کا پُتلا
تھا انجام سے بے خبر میرے پیارے

نہ کر میرے اعمال پر حرف گیری
ہے غلطی کا پُتلا بشر میرے پیارے

تمہارا ہوں میرے سبھی کچھ تم ہی ہو
تیرے بن ہے پونجی صِفر میرے پیارے

میں نادم ہوں افشا نہ کر راز پنہاں
سرِعام رُسوا نہ کر میرے پیارے

میں بھولا ہوں میری خطاؤں کو بخشو
عنایت کی ہو اک نظر میرے پیارے

عفو اور بخشش کے بحرِ کرم میں
نمایاں ہو مد و جزر میرے پیارے

میری داستاں میں طوالت نہیں ہے
ہے قصہ بہت مختصر میرے پیارے

کوئی راہبر تھام لے ہاتھ میرا
کٹے جس سے خوش خوش سفر میرے پیارے

ہے مسرور تیری تجلّی کی خاطر
کھڑا دیر سے منتظر میرے پیارے

۲۸

ابھی بھی وقت ہے ناداں ذرا تو ابتدا کر لے
خودی کو چھوڑ کر خود کو اب اپنا آشنا کر لے

الف اللہ کا بھی اوم کا بھی پہلا اکھشر ہے
اسی کو لے کے اپنی زیست کی تو ابتدا کر لے

تعصب اور غیریت کی تاریکی سے مت گھبرا
یگانہ کو نہ بیگانہ سمجھنے کی خطا کر لے

یہ دُنیا اور اس دُنیا کے جھگڑے عیش جنت ہوں
اگر مُدھی سے من کو اصلیت سے آشنا کر لے

بہار بے خزاں ہو گی گل صد برگ کھل اٹھے
حقیقت بیں نگاہوں کو اگر تو اپنی وا کر لے

جو کاریہ کو سمجھنا ہے تو کارن کو بھی دیکھا کر
کہ کرتاپن ہے واضح ختم اب ماوشنی کر لے

یہ اُلجھی گتھیاں مسرور اپنے آپ سُلجھیں گی
مسرت کی تمنا ہے تو غم کی انتہا کر لے

(۲۹)

تھی پُر سکون فضا یہاں شور و شغب ہے کیوں؟
بزم طرب میں اس قدر رنج و تعب ہے کیوں؟

وقتی ہے ساری گردو پیش دائمی نہیں
دلدل میں دوڑ دھوپ پھر یہ روز و شب ہے کیوں؟

سایہ کے پیچھے دوڑ بھاگ آخر یہ کس لئے
جو ہاتھ میں آ نہ سکے اس کی طلب ہے کیوں؟

صیدِ قفس نہ دیکھا دام ہمرنگ زمین تھا
غفلت ہے اپنی شکوۂ تقدیر اب ہے کیوں؟

ناداں خوابِ زیست کی تعبیر دیکھ لے
یہ مہر نیم روز تجھے ماہِ شب ہے کیوں؟

ہے نامۂ اعمال کی ہڑتال صبح و شام
سباق کر حساب خوف محتسب ہے کیوں؟

مسؔرور عرق ہے تو کس بحرِ خیال میں
بزم سخن میں اس طرح مہر بلب ہے کیوں؟

نظر کی وسعتوں میں اور کچھ تو سیع ہوجائے
دوئی مٹ جائے جلوہ اپنا ہی ہر سو نظر آئے

یہ مایا تو صفر ہے لیکن اس کی بھی حقیقت ہے
صفر جب ایک سے مل جائے تو انیک ہوجائے

کھرا سونا تو پنچ اگنی میں ہی تپ کر چمکتا ہے
تو پھر زیور کے نام و رُوپ میں کیوں کوئی کھو جائے

ہے مٹی ایک چاہے جام ہو مینا ہو ساغر ہو
غرض پینے سے ہے پی یہ فرق کیوں درمیان آئے

ہیں دِشیوں کی یہ جھوٹی روشنی چندھیا گئیں آنکھیں
حکمرانی ہو" رج۔تم" کی توست کو کون اپنائے

بہت سندر سہی لیکن یہ سپنا پھر بھی سپنا ہے
حقیقت بیں نگاہ سے دیکھ کر کیوں کوئی للچائے

ہزاروں مُشکلیں آتی ہیں ہر رہرو کو منزل تک
سنبھل کر جو قدم دھرے کبھی ٹھوکر نہ وہ کھائے

تجھے چکمہ دیا کس نے سنبھل جا وقت ہے اب بھی
نہیں بھولا صبح کا شام کو جو اپنے گھر آئے

دل مسرور ہے پُرکیف غرض اس کو نہیں مطلق
کوئی آئے نہ آئے، آ کے پھر واپس چلا جائے

(۳۱)

تیری گلی میں بھول کر ہم آئیں کس لئے
کافی ہیں پہلی ٹھوکریں، پھر کھائیں کس لئے

اُمید اُس سے کیا رکھیں جو خود ہے بے ثبات
سراب سے پیاس ہم بجھائیں کس لئے

خوابِ حسین ٹھہری جب یہ ساری کائنات
پھر ہست و بود کا بھلا غم کھائیں کس لئے

موتی بتا رہا ہے جو سیپی کی ریت کو
باتوں میں اس کی وقت ہم گنوائیں کس لئے

بھولا ہرن تو نافہ کی خاطر ہے در بدر
جو پاس ہو اُس کھوج میں ہم جائیں کس لئے

اس چکنی چوپڑی کا کرے کون اعتبار
ہے پہلے آزمودہ پھر آزمائیں کس لئے

کیف و سرور کا یہی عالم ہے صُبح و شام
مسرور درِ غیر پر ہم جائیں کس لئے

(۳۲)

کوئی اور ہیں جو جزا مانگتے ہیں
ہم اپنے کیئے کی سزا مانگتے ہیں

جنھیں علم ہے اپنی کوتاہیوں کا
عفو پر سہو و خطا مانگتے ہیں

سوالی ہیں سب قدرت کاملہ کے
مسیحا بھی دستِ شفا مانگتے ہیں

بُرا ہم نہ بولیں، نہ دیکھیں نہ سُنیں
دعا سب یہ صبح و مسا مانگتے ہیں

نہیں لمبا لیکھا یہ ہے نقد سودا
خودی کے عوض ہم خدا مانگتے ہیں

نہ ہو قابل رشک وہ زندگی کیوں
فنا ہو کے فی العشق بقا مانگتے ہیں

فضا کیسی پرکیف ہے جس میں مسرور
کھڑے مغفرت کی دُعا مانگتے ہیں

(۳۳)

سمجھ والے بھی سمجھاتے ہوئے بنتے ہیں ناسمجھے
سمجھ کی حد سے بالا ہو کوئی سمجھائے کیا سمجھے

کہیں تو آدمی ہی آدمی کے خون کا پیاسا ہے
کہیں ہے یہ عقیدت آدمی ہی کو خدا سمجھے

یہ کیسا مجموعۂ اضداد کا چکر چلایا ہے
غلط کو ٹھیک کہہ کر جس سے اچھے کو بُرا سمجھے

نظر کا پھیر کہئے یا یہ تاثیر زمانہ ہے
حقیقت کو بطالت کہہ کے کھوٹے کو کھرا سمجھے

سہارا پانچ ناگوں کا لیا ہے اُس پری وش نے
جسے طوفان بن بھولے سے ہم اپنا ناخدا سمجھے

سفینہ زندگی کا جا لگا ایسے کنارے پر
جہاں جائز کو ناجائز روا کو ناروا سمجھے

پریشاں حال ہوں گے یہ بھکاری جاہ و حشمت کے
جسے گنجِ قناعت ہے وہ شاہوں کو گدا سمجھے

یہ اُلجھی آپ سُلجھے گی دلِ مسرور جب تم میں
نہ ہو بغض و حسد، کبر و ریا، حرص و ہوا سمجھے

(۴۴)

صبح کو جوں توں شام کرتا ہوں
زندگی اس طرح تمام کرتا ہوں

اک نئی آس کا سہارا ہے
جس کو جھک کر سلام کرتا ہے

کشمکش ہست و نیست میں پڑ کر
میں تو اب رام رام کرتا ہوں

کہنہ مشق ہونے کے ناطے
اک نیا انتظام کرتا ہوں

سیر دُنیا سے ہو کے اب مسرور
مرنے کا اہتمام کرتا ہوں

(۳۵)

کیسی قسمت ہے جو مدّت سے پڑی سوتی ہے
خوب جھنجھوڑ و تو بیدار یہ تب ہوتی ہے

شب تاریک گذاری تھی بأمید سحر
شمع محفل صبح ہونے تک مگر روتی ہے

فتنہ انگیزی نے سوئی کی بنادی سولی
بات کچھ بھی ہو ہَوا دینے سے کچھ ہوتی ہے

تازہ دم ہو کے گزاریں زندگی کے چار دن
صبحدم شبنم بھی آ غنچوں کا مُنہ دھوتی ہے

سعی پیہم کبھی جاتی نہیں لاحاصل
در نایاب ملے ہر سیپ میں اک موتی ہے

کام لے ہمت سے پھیلا نہ کبھی دست سوال
خاک میں عزت ملے جگت میں ہنسی ہوتی ہے

اہل ثروت یہ اثاثہ میرا کیا کُچھ کم ہے
دلِ مسّرور ہے، لنگوٹی ہے۔ ایک دھوتی ہے

اے آنکھ رو اور خُوب رو
اُن کے لئے
بینائی سے محروم جو کھاتے ہیں در در ٹھوکریں
قسمت سے جو مجبور ہیں لاچار بس کیسا کریں
اس سے بھی زیادہ رو ذرا
اس مفلس نادار پر
محتاج کی سُن کر صدا
چاہتا ہے ہو حاجت روا
لیکن پلے کچھ بھی نہیں
حسرت مچلتی رہ گئی

اس سے بھی زیادہ اُن پہ رو
جن کی دو آنکھیں ہیں ضرور
دولت کے نشے میں ہیں چور
انسانیت سے کوسوں دور
کندھوں پہ سر ہے پر غرور
اس میں دماغ جس میں فتور
جس سے سجھائی کچھ نہ دے

محتاج آئے سامنے
دھتکار دے پھٹکار دے
ہنسی اُڑا کے ٹال دے
آوازیں کستا ہی رہے

اس عقل کے اندھے پہ رو
جھنجھوڑ کر اس سے کہو
قسمت کی ٹھوکر کھائے گا
دم بھر میں چت گر جائے گا

مسرور آتی ہے ندا
جو کچھ ہے دے بہر خدا
اک دے کے سو مل جائیگا
کل شاہ ہوگا یہ گدا

۳۷

یہ زندگی، موت، بھولا بچپن حسین ورنگین شباب کیا ہے
اسے حقیقت کا نام دیدوں تو پھر بتادو کہ خواب کیا ہے

چُھپا چُھپی کا یہ کھیل سارا کبھی تو سمجھے کبھی نہ سمجھے
رواں ہے دریا، ہیں مست لہریں حُباب کی آب وتاب کیا ہے

میں بُھولا صانع کی صنعتوں پر ہوئی ہے دیوانہ وار اُلفت
اگر یہ سب کچھ گُناہ ٹھہرا کوئی بتادے ثواب کیا ہے

نہیں ہے اوجھل تمہاری نظروں سے ایک پل بھی تو پھر بتادو
یہ حشر کا ہے جھمیلا کیسا، تقاضا دے دے حساب کیا ہے

نہ کیوں ہوں اس بے خودی کے صدقے کہ جس نے بالکل بُھلادیا ہے
عفو ہے کیا بخششیں ہیں کیسی عتاب کیا ہے عذاب کیا ہے

میں تجھ میں تو مجھ میں ایک ہی ہیں کہ دو کا جھگڑا تو مٹ چکا ہے
مجھ سے باہر ہے ہم نشیں پھر بھی درمیان میں حجاب کیا ہے

کھلی ہو مستور جب حقیقت تو پھر بھلا اس کی کیا ضرورت
کہیں یہ جھگڑا کہیں بکھیڑا بس اس پہ زیرِ نقاب کیا ہے

شبنم تو مُنہ اندھیرے موتی بچھا رہی ہے
کوئی افق سے اُن پر سونا لُٹا رہی ہے
بادِ نسیم صرصر کیا گیت گا رہی ہے
برخیز صبحدم یہ قمری سُنا رہی ہے
بڑھ چل ہے وقت تھوڑا منزل بلا رہی ہے

جھرنے بجا رہے ہیں کیا پربیت کے ترانے
پی پی کی رٹ سے سوئے فتنے لگا جگانے
پپیہا سُنا رہا ہے فرحت کے یہ فسانے
کوئل کی کوک بھی تو یہ ہی بتا رہی ہے
بڑھ چل ہے وقت تھوڑا منزل بلا رہی ہے

دیکھ کر چراغِ سحری پروانہ ہے پریشاں
شمع تو جا رہی ہے لے کر ہی سوزِ پنہاں
دم بھر میں صبح صادق ہونے کو ہے گل افشاں
چندا چکور سے ہی یہ کہلوا رہی ہے
بڑھ چل ہے وقت تھوڑا منزل بلا رہی ہے

شاداب وادیوں میں سبزے لہک رہے ہیں
ہیں پُر فضا یہ گلشن غنچے مہک رہے ہیں
مستی میں جھومتے ہیں طائر چہک رہے ہیں
راہرو بہک نہ جانا آواز آرہی ہے
بڑھ چل ہے وقت تھوڑا منزل بلا رہی ہے

عزمِ سفر ہے پکا اس کو نہ چھوڑ دینا
عہدِ وفا کو ہرگز ہرگز نہ توڑ دینا
چھوٹے نہ ساتھ بھٹکے بھولے کو موڑ لینا
مسرور دل کی دھڑکن یہ گنگنا رہی ہے
بڑھ چل ہے وقت تھوڑا منزل بلا رہی ہے

ڈھلنے کو تیار ہے اب آفتاب زندگی
محتسب سے پوچھتا کیا ہے حساب زندگی

ابر رحمت بن کے برسا ہے سحاب زندگی
بحرِ ہستی میں بہت اُچھلا حباب زندگی

ذرہ ذرہ دے رہا ہے درسِ عبرت دیکھ لے
لمحہ لمحہ کھل رہا ہے 'ایک باب' زندگی

ہے عبث پچھتاوا آہ خود کردہ کا ہے کیا علاج
اپنا سایہ تک بنا ہے اب عذاب زندگی

اُلجھنوں میں پڑ گیا سلجھانے کی سوجھی نہیں
وقت پر خود دیکھ لی ہوتی کتاب زندگی

جو ہی لمحہ ہاتھ آجائے غنیمت جان لے
کر بھلا ہوگا بھلا لے لے ثواب زندگی

ساز کی آواز سُن مسرور ہو مست الست
وجد میں آکر بجا اپنا رباب زندگی

(۴۰)

بہاروں میں گر رونقِ گلستان ہے
خزاں میں بھی تو گُل کھلائے ہیں لاکھوں

نہ سمجھا نہ سمجھے گا یہ رازِ اخفا
بہت کھولے تم پر چھپائے ہیں لاکھوں

نرالا یہ نٹ جس نے ناٹک رچا کر
کروڑوں ہنسائے رُلائے ہیں لاکھوں

کروڑوں نے دی جان رنج و الم میں
خوشی سے نہ پھولے سمائے ہیں لاکھوں

بھلے ہیں سبھی مت بُرا ان کو سمجھو
کہ اک ہاتھ کے ہی بنائے ہیں لاکھوں

جو چشم بصیرت ہے وا دیکھ لینا
اُسے جس نے منظر دکھائے ہیں لاکھوں

جہاں تصور میں مسرور تم نے
اُجاڑے گھروندے بسائے ہیں لاکھوں

(۴۱)

گلِ صحرا ہوں میں خود نظارہ بھی ہوں ناظر بھی ہوں
ریگِ صحرا میں چھپا رہتا ہوں تو ظاہر بھی ہوں

دُور افتادہ سہی لیکن میں تنہا تو نہیں
میرے ہمدم میرے ساتھی میں اکیلا تو نہیں

میرا مالک ہے شب و روز نگہبان میرا
یہ زمین میری ہی ہے اور یہ آسمان میرا

آپ ہی اپنے لئے کِھل کر مہکتا ہوں میں
آپ اپنے کو جو دیکھوں تو چہکتا ہوں میں

تند ہوا خوب مچل کر مجھے بہلاتی ہے
صبح شبنم روز آکر مجھے نہلاتی ہے

محفلِ خاص تاروں کی جما کرتی ہے
چاندنی میرے گلے لگ کر نچا کرتی ہے

میں تو خلوت میں ہی جلوت کے نشے میں ہوں چور
رہتا ہوں آٹھ پہر اپنی ہی دُھن میں مسرور

نہ جاگتا ہوں نہ خواب میں ہوں   میں ایک دلکش عذاب میں ہوں
نہ مومنوں میں نہ کافروں میں   کیا جانوں میں کس حساب میں ہوں
یہ علمِ وحدت یہ عملِ کثرت   ہوں بے خبر کس نصاب میں ہوں
الف سے ی تک ہے کھوج کس کی   میں لفظ اول کتاب میں ہوں
سکوں کہاں کا خموشی کیسی   رواں دواں انقلاب میں ہوں
خموش وادی کے بہتے جھرنے   میں سوز و سازِ رباب میں ہوں
ہو اک ٹھکانہ تو میں بتاؤں   میں ذرے میں آفتاب میں ہوں
ہو جیسی کرنی ہے ویسی بھرنی   ثواب میں ہی عتاب میں ہوں

ہے کون خادم کہئے یہ نادم ؟
تو بولا مسرور "جناب میں ہوں"

کاتبِ تقدیر بتلا تونے ایسا کیوں کیا
اپنی مرضی سے بتا پوچھے جو چاہا لکھ دیا

مانا مختاری میں تری دخل دے سکتے نہیں
پھر بھی فریادی کو کہنے کا موقع نہ دیا

بشریت کا ہے تقاضا بھول پر ہوتی ہے بھول
جان کر تو نہیں نادانستگی میں ہوگیا

مان لیتا ہوں جلا وطنی ہے سزا سے خودسری
بھول سے شیطان کو انسان سمجھ سجدہ کیا

ٹھوکریں کھا کر ہی تو آخر سنبھلا ہر کوئی
ایک میں ہی رہ گیا جس کو یہ موقع نہ دیا

اپنی ہی ضد پر اڑے رہنے سے بڑھتا ہے تناؤ
سر جھکا نادم ہوا فوراً "ہینڈز اپ" کر دیا

زندگی سمجھوتہ ہے مسرورؔ سمجھوتہ ہی کر
بارگاہ عالی ہے بخشش کا دروازہ کھلا

اب کس پر کریں تکیہ یاں کون ہمارا ہے
غیروں کا نہیں شکوہ اپنوں نے ہی مارا ہے

تقدیر کے آگے کب تدبیر کی چلتی ہے
اوروں کا سہارا تھا جو اب خود بے سہارا ہے

مستول ہے ٹیڑھا سا اور باد مخالف ہے
بھنور میں سفینہ ہے اور دور کنارا ہے

محتاج نہیں ہے کوئی حاجت روا ہو سب کے
بھر دینے کو جھولی سب کی بھرپور بھنڈارا ہے

کیوں کھوٹ کسوٹی پر اپنے کو پرکھتے ہو
دھوکا ہے دھوکا ہی یہ سارے کا سارا ہے

کس بھول پہ بھولے ہو کس سوچ میں ڈوبے ہو
ناظر ہو نظر ہے اپنی اپنا ہی نظارا ہے

شیشے کو پلٹ کر دیکھو کچھ غور کرو، کچھ سوچو
نقلی ہے کہ اصلی ہے جو رُوپ تمہارا ہے

سمجھے ہو جسے تم اپنا کیا منزل یہ تمہاری ہے
اس دیش کے واسی ہو کیا یہ دیش تمہارا ہے

مہندی کی وہ لالی جھنکار وہ پائل کی
کیا رنگ جما کر کے شیشے میں اُتارا ہے

مُسکان گلابی لب کی لائی ہے خوشیاں سب کی
تب بھی تھی ہے اب بھی دلکش یہ نظارہ ہے

ہے تیر نظر کا فرماں خالی کرو یہ میدان
خاموش لبوں سے تو رُکنے کا اشارہ ہے

یہ گرم و ٹھنڈی سانسیں آواز یہ سوئم کی
ہے قائم و دائم ہستی بجتا یہ نظارا ہے

کانوں نے سُنا تو تھا آنکھوں نے بھی دیکھا ہے
میں اس کا پیارا ہوں وہ میرا پیارا ہے

متلاشی وہ رہتا ہے تنہائی کے لمحوں کا
ہو جائے مُخل کوئی کب اس کو گوارا ہے

خلوت میں ہی جلوت کا ہو لطف جسے حاصل
نازاں ہے وہ قسمت پر مسرور ہمارا ہے

(۴۵)

نگاہِ فیض و کرم حد سے بڑھ گیا ہے تو کیا
سمجھ لے آقا کو آقا یہ تیرا غلام نہیں

مچا ہلڑ ہے کیوں ہوتی ہے دھاندلی دن رات
ہے بگڑا آوے کا آوا کچھ انتظام نہیں

کہیں بنے نہ بے باکی تیری گستاخی
کہیں گے سر پھرا ہے کسی کا احترام نہیں

بُلاوا کیا لینے آئے گا خود فرشتہ اجل
ہے پھر بھی شکایت سواگت کا اہتمام نہیں

نکل نہ جائے کہیں چھوٹے مُنہ سے بات بڑی
کہ مجلس خواص ہے مسرور یہ مجمع عام نہیں

(۴۶)

مہرے شطرنج کے مرے چلنے لگے ہیں اپنے آپ
وہ تو بے پرواہ ہیں اس سے جیت ہو گی یا کہ ہار

خوگر ظلم و ستم میں آزما چرخ کہن
ہم نے تو سیکھا نہیں گھبرا کے لیں راہِ فرار

عزم اس کا پختہ ہے حوصلہ ہے بلند
رُک نہیں سکتا کہیں بھی راہ میں اسپ طرار

شدت غم میں ہے مستور پوشیدہ خوشی
بے قراری سے ہی حاصل ہوتا ہے دل کو قرار

جو ایک کی بھی نہ تاب لائے
بھلا وہ سب کی سُنے گا کیسے

خطا عطا کی ہے حد مقرر
میرے گناہ وہ گنے گا کیسے

زمانہ جب ساتھ دے کسی کا
تو بگڑی دم بھر میں بن سکے گی

بُری طرح سے اُلجھ گیا ہو
جو تانا بانا بنے گا کیسے

شیطانی سیرت انسانی صورت
میں ہی آ کے بس گئی ہو

جسے نہ حاصل ہو نظر حق میں
بھلے بُرے کو چُنے گا کیسے

قدر ہے گوہر کی جوہری کو
مسرور اَن جان کیا پہچانے

جو لفظ کو بھی سمجھ نہ پائے
وہ داد میں سر دھنے گا کیسے

(۴۸)

قسمت کا پھیر دیکھ پڑا کس عذاب میں
پھیلا نہ پایا پر کہ آیا گرفت عقاب میں

پایا نہ اپنے کام کا مجھ کو پٹک دیا
جیسے نکالی پھینک دے ہڈی کباب میں

پہلو میں تیرے بیٹھا ہے کوئی نقاب میں
اے محتسب گڑبڑ نہ کر میرے حساب میں

ہے نامۂ اعمال کی ایک نقل میرے پاس
کچھ اُلٹا سیدھا لکھ نہ دے اپنی کتاب میں

مرا سوال سُن کے کیوں خاموش ہو گئے
جو کچھ بھی کہنا ہے تجھے کہہ دے جواب میں

گانا میرا لگیگا کیوں نہ تجھ کو بے سُرا
جب ایک تار کاٹ دیا مرے رباب میں

پتلا یہ خامیوں کا نافہم نا سمجھ
کچھ اُلٹا سیدھا کر گیا ہوگا شباب میں

لایا تھا اپنے ساتھ ہی مزاج گرم و سرد
کچھ آفتاب میں ملا کچھ ماہتاب میں

سر میں سودا لیے ہی تو پھرتا ہے ہر کوئی
ہے کیا بتاؤ ہوا کے سوا حباب میں

خوب چھان بین کر کے ہی اس نے پرکھ لیا
کس کی تلاش رہ گئی ہے اب حجاب میں

مسرور سب عیاں ہے کچھ بھی چھپا نہیں
تاخیر کی وجہ ہے کیا پھر انتخاب میں

(۴۹)

شیخِ حرم نشیں کیوں برہمن سے لڑ رہا ہے
ناقوس اور اذاں پر اتنا بگڑ رہا ہے

جس کی ہے جُستجو وہ بیٹھا ہے اپنے اندر
کر احترام سب کا مسجد ہو یا کہ مندر

توحید ہی کا قشقہ دیکھو تو ہے جبیں پر
ناقوس کہہ رہا ہے "ادم ادم" اللہ اکبر

ہندو ہو یا مسلمان مل جائیں کیوں نہ باہم
اعداد ہیں برابر جمنا ہو یا کہ زمزم

مسرور ترک کر دو اس جنگ زرگری کو
اور صلح و آشتی سے بگڑی ہوئی بنالو

(۵۰)

اُنس سے خالی اگر ہے اس کو دو کچھ اور نام
وہ کسی صورت میں بھی انسان ہو سکتا نہیں

حقِ ہمسایہ کا غاصب شرپسند غدارِ قوم
ہے وہ کافر صاحبِ ایمان ہو سکتا نہیں

محنت جانکاہ چاہیے درسِ الفت کے لئے
ہے سبق مشکل بہت آسان ہو سکتا نہیں

پنجۂ مرہم لئے گر آئے مسیحا سامنے
پھر بھی میرے درد کا درماں ہو سکتا نہیں

حور و غلماں باغ جنت کی حقیقت کچھ نہیں
یہ دلِ مسرور کا ارماں ہو سکتا نہیں

بتا بھٹکے راہی تیری منزل کہاں ہے
اکیلا ہے یا صاحبِ کارواں ہے

سلامت رہیں پوچھ تاچھ کرنے والے
بہت مختصر سی میری داستاں ہے

بہت ہلکا پھلکا میں نکلا تھا گھر سے
یہاں بارِ عصیاں سے خطرے میں جان ہے

تمہیں کیا بتاؤں کہ ہے پاس کیا کیا
خلش ہے تپش ہے قلق ہے فغاں ہے

حقیقت میں ساری بُرائی تھی مجھ میں
میں ناحق ہی سمجھا بُرا یہ جہاں ہے

میں آندھی و طوفان سے مانوس ہوا ہوں
یہ ننھی سی ڈالی میرا آشیاں ہے

خوشامد کسی کی ہوتی ہے نہ ہوگی
جو سچ کہدوں کہتے ہیں یہ بد زبان ہے

جسے دوست سمجھے وہ ہوجائے دشمن
جو آپ اپنے سے اطرح بدگمان ہے

فرش پر کھڑا عرش کی سیر کرلے
یہ بوڑھا شکل کا عقل کا جوان ہے

اٹک جائے تو ہے لٹکنے کا خطرہ
یہاں امتحان ہے وہاں امتحان ہے

ہے مسرور خطا بشریت کا تقاضا
خطابخش خطاکار کا پاسبان ہے

(۵۳)

میرے ہم سفر میرا راہبر سرِ راہ مجھے یوں نہ چھوڑ دو
میں بکھر کے گر نہ پڑوں کہیں مجھے اپنے رشتے میں جوڑ دو

میں اٹاڑی راہ سے ناآشنا میں سنبھل سکا نہ پھسل گیا
ایک ہی جھٹکے میں توں نکل گیا میں بھٹک گیا مجھے موڑ دو

ہو کے نادم اپنے کئے پہ جو خود ہی اعترافِ گناہ کرے
اُسے ایسی کڑی سزا نہ دو اسے اپنا ناطہ نہ توڑ دو

تیری ذاتِ واحد کے آسرے جو سسک سسک کے ہے جی رہا
اُسی دل شکستہ کے ٹکڑے ہیں اسے اپنے ہاتھوں سے جوڑ دو

وہ تھا کیا وہ ہے کیا رکھی لاج مسرور کی آج تک
یہ ہے راز رہے ہی سرِ راہ بھانڈا نہ پھوڑ دو

(۵۴)

کتنے دلکش تھے روح پرور
وہ لمحات تصوّر کے
ماضی کے چند مبہم خاکے
حال کی بسیط پہ پھیلا کے
کیسے رنگ بھر کر اُبھارے
مستقبل کے تصوّر کے

بھولے سے وہ بھولی بسری
یادیں پھر سے تازہ ہوئیں
سوئے فتنے جاگ اٹھے
دل نے لی ایک انگڑائی
لے کے جمائی بانہہ پھیلائی
بھاگ چلی وہ ہاتھ نہ آئی

شانتی کے بھولے شیدائی
تجھ کو اتنی سمجھ نہ آئی
دستِ سوال نہ پھیلا اس سے
ہوتی ہے بس جگ ہنسائی

مسرور اپنا شوقِ تجسس
تپا کے پریم کی بھٹی میں
اگنی روپ بنا کے دیکھ لے
یہیں دوئی ہے یکتائی

Late Pandit Prem Nath Patwari *'Masroor Kashmiri'* was gifted with a multitude of fine arts including story writing, poetry, spiritual writing and discourses, cartoons and painting. He started his literary career as a young social activist and reformist in early 1930's and raised his voice against dowry and outdated social customs through his stories, cartoons and poems. Before partition in 1947, he regularly contributed to *'Rehnuma-e-Taleem'* (Lahore), *'Bahar-e-Kashmir'* (Lahore), *'Ranbir'* (Jammu), *'Rattan'* (Jammu) and *'Jyoti'* (Srinagar). His poetic compilations '*Vena Posh'* (Kashmiri), *'Chit-e-bram'* (Kashmiri) and '*Yaad-e-ayam*' (Urdu)" are reflections of a spiritual man who was a poet at heart.

'*Yaad-e-ayam'* is a collection of his Urdu poetry written over a long period of time when he enjoyed different moods of life. Therefore the readers of this book will enjoy a dual '*saroor*' of spirituality and poetry.